ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.9.No.2 2026

تکفیر: شرعی اصول و قواعد

1.Sajid Ali[1]
2.Dr Saeed Ahmad Saeedi[2]

Abstract

The subject of this article is an analytical review of the Shariah principles and guidelines regarding Takfeer (excommunication) in Islam. In the contemporary era, while the Muslim Ummah faces external challenges such as secularism and the mockery of Islamic symbols. Internally, the trends of sectarianism, Tafseeq (declaring someone a transgressor), Tadhleel (declaring someone misguided), and unjustified Takfeer have severely damaged the unity of Muslim societies. The article highlights that the turmoil (Fitnah) of Takfeer is the oldest in Islamic history, originating with the Khawarij, and even today, this very ideology is the primary cause of unrest and armed conflicts in Muslim countries. The fundamental objective of this research is to eliminate the intellectual ambiguity prevalent among the general public and certain academic circles. Therefore, in the light of the Quran and Sunnah, this paper determines the Shariah reality of Kufr (disbelief), the extent to which Takfeer aligns with the Objectives of Islamic Law (Maqasid al-Shariah), its core principles and who holds the legal authority to declare an individual outside the fold of Islam. This aims to ensure that moderation and extreme Shariah precaution are maintained when forming an opinion about a Muslim's faith or disbelief.

Keywords:
Takfeer, Shariah Principles, Sectarianism, Khawarij, Maqasid al-Shariah, Apostasy.

مقدمہ:

الْحَمْدَلِلّٰهِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلا اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا، اللهُمَّ فَصَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ الْغُرِّ الْمَيَامِيْنِ وَعَلَى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ.

أما بعد!

اس وقت امت مسلمہ میں بالعموم اوازر ہمارے معاشرے اور ملک میں بالخصوص اسلام کے ماننے والوں اور لادین طبقات کے درمیان ایک کشمکش برپا ہے۔ سیکولر حلقے نہ صرف مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بلکہ ریاست اور اس کے اداروں سے بھی اسلام، دینی شعائر اور مذہبی علامات کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلام کے شعائر اور امت کی مقدس شخصیات کو نشانہ بنا کر ان کی توہین و تمسخر کیا جارہا ہے۔ اس مقصد کے لیے بعض سادہ لوح مسلمانوں یا ایسے لادین عناصر کو بھی استعمال کیا جاتا ہے جو ایمان و کفر کی حدود سے ناواقف ہیں یا انہیں اہمیت نہیں دیتے۔

دوسری طرف خود مسلمانوں کے درمیان بھی اتحاد و اتفاق کی کوئی قابلِ رشک صورت نظر نہیں آتی۔ فرقہ واریت کا زہر امت کے جسدِ واحد کو کھوکھلا کر رہا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف تکفیر، تفسیق اور تضلیل کے فتوے جاری ہو رہے ہیں، جس سے فتنہ انگیز صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔

فتنۂ تکفیر کی جڑیں قدیم ہیں۔ تاریخی اعتبار سے امتِ مسلمہ میں سب سے پہلا اور خطرناک فتنہ تکفیر ہی کا تھا۔ قرنِ اول میں خوارج نے تکفیر و تفسیق میں غلو کرتے ہوئے حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں

---

[1] PhD Scholar Punjab University Lahore & Lecturer Baba Guru Nanak University Nankana Sahib
hafizsajidali20@gmail.com
Associate Professor/Chairman Department of Islamic Knowledge, University of the Punjab, Lahoresaeed.is@pu.edu.pk

سازش تیار کر کے ان بزرگوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ایک خارجی عبد الرحمن بن ملجم مرادی نے کوفہ کی مسجد میں فجر کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برک بن عبد اللہ نے زخمی کیا جبکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی سازش میں غلطی سے ان کے قائم مقام امام خارجہ بن ابی حبیب کو قتل کر دیا گیا۔[1]

خوارج کے اس فتنۂ تکفیر کے نتیجے میں امت میں شدید اختلافات پیدا ہوئے اور تقسیم و تفرقہ کی ابتدا ہوئی، جس سے خانہ جنگی، قتل و غارت اور بے گناہ انسانوں کی جان و مال کا ضیاع ہوا اور امت کی سیاسی قوت کو شدید نقصان پہنچا۔[2]

اگرچہ خوارج بطور گروہ ختم ہوگئے، لیکن ان کی تکفیری فکر باقی رہی۔ آج بھی اسی فکر کے باعث عالمِ اسلام کے کئی ممالک میں فساد، خانہ جنگی اور اضطراب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں جن مسلمانوں کو کبھی "مجاہدین" اور "حریت پسند" کہا جاتا تھا، بعد میں انہیں دہشت گرد قرار دے دیا گیا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اس کے ردِ عمل میں بعض گروہوں نے ان مسلم حکمرانوں اور اداروں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی جو ان کے نزدیک اسلام سے منحرف ہو چکے ہیں۔

اس صورتِ حال میں عام لوگ ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ اور بعض نیم خواندہ علماء بھی شرعی موقف کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسلام کی رہنمائی کو واضح کیا جائے کہ کفر کیا ہے؟ تکفیر شریعت کے مقاصد سے کس حد تک ہم آہنگ ہے؟ اس کے بنیادی اصول و ضوابط کیا ہیں؟ اور تکفیر کا اختیار کس کو حاصل ہے؟ انہی سوالات کے جواب کی تلاش میں اس تحریر میں اختصار کے ساتھ ان اصول و قواعد کو بیان کیا گیا ہے جنہیں کسی مسلمان کے ایمان، کفر اور ارتداد کے بارے میں رائے قائم کرتے وقت پیشِ نظر رکھنا شرعاً ضروری ہے۔

تکفیر: شرعی اصول و قواعد:

1۔ تکفیر میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی ممانعت:

سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ جس طرح حلال و حرام کا تعین شارع کا حق ہے، اسی طرح کسی شخص کے ایمان و کفر کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی شریعت ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے عقیدہ، ایمان یا کفر کے بارے میں فیصلہ کسی کی ذاتی خواہش، بدگمانی، غلط فہمی، فرقہ وارانہ تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح کسی مسلمان کی تکفیر کرنا، اسے مشرک، بدعتی یا فاسق قرار دینا، یا اس کے ایمان و کفر کا حکم لگانا عوام الناس، ناواقف افراد یا میڈیا کا کام نہیں، بلکہ یہ اختیار صرف راسخ اہلِ علم اور اہلِ افتاء کو حاصل ہے، جو مضبوط شرعی دلائل کی بنیاد پر اس بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص کو شارع—یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ—نے نام لے کر (جیسے ابلیس، فرعون، ابو لہب) یا کسی جماعت کو اجتماعی طور پر (جیسے یہود، نصاریٰ یا مجوس) یا کسی صریح وصف و فعل کی بنا پر (جیسے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، قرآنِ مجید یا شعائرِ اسلام کی توہین) دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہو، اس کے کفر میں کسی کا اختلاف نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی قول یا فعل کو شرعی نصوص میں کفر قرار دیا گیا ہو تو بھی لازمی نہیں کہ اس کے مرتکب کو فوراً دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا جائے۔ مثال کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز ترک کرنے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، حالانکہ بعض احادیث میں ترکِ نماز کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امتِ مسلمہ کے اسلاف کے ہاں تکفیر و تفسیق کا طریقہ رائج نہیں تھا، بلکہ وہ اس معاملے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس کی وجہ نبی کریم ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جن میں کسی مسلمان کی تکفیر میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد صحابہ کرامؓ سے روایات مروی ہیں، جن میں حضرت انس بن مالک، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ثابت بن ضحاک، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

وہ روایات درج ذیل ہیں:

بخاری شریف میں ہے قال رسول اللہ ﷺ

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"[3]

وفی مقام آخر قال رسول اللہ ﷺ:

"إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا"[4]

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے:

"قال رسول الله ﷺ:أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا؛ إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ"[5]

امام ابن الوزیر صنعانیؒ (775–840ھ) نے مسلمانوں کی تکفیر سے ممانعت پر وارد احادیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ"[6]

کوئی شخص جب کسی دوسرے کو فاسق یا کافر کہتا ہے تو اگر وہ شخص حقیقت میں ایسا نہ ہو تو یہ الزام اسی کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔

2۔اصولاً، ہر انسان مسلم ہے اور اس کا دین اسلام ہے؛ کفر عارض ہے۔

دوسرا اہم قاعدہ: ہر انسان فطرتاً اور پیدائشی طور پر مسلم ہے ہر انسان کی فطرت اور پیدائش کے اعتبار سے مسلمان ہے، کیونکہ اس کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام اللہ رب العالمین کے فرمانبردار اور مسلمان تھے، اور وہ نوعِ انسانی کی جانب اللہ تعالی کے اولین نبی تھے۔ ان کی اولاد بھی اصلاً مسلمان تھی، بعد میں کفر، شرک اور معصیت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالی کے دین سے دور ہو گئے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُواْ وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ"[7]

سب انسان ایک ہی امت تھے، لیکن بعد میں ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اگر تمہارے رب کا فیصلہ پہلے سے موجود نہ ہوتا، تو انہی لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ انہی کے ذریعے ہو جاتا۔

ایک حدیث قدسی حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا" [8]

میں نے اپنے بندوں کو توحید پر یکسو اور مسلم پیدا کیا، لیکن شیاطین (جن و انس) آئے اور انہیں ان کے اصل دین سے بھٹکا دیا۔ انہوں نے میرے حلال کیے ہوئے کاموں کو ان پر حرام کر دیا اور انہیں میرے ساتھ ایسے شریک ٹھہرانے کی ترغیب دی، جن کے لیے میں نے کوئی سند یا اختیار نازل نہیں کیا تھا۔

اسی طرح شریعت نے ہر نومولود بچے کو **فطرتاً اور خلقتاً مسلم** قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے جانور صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟

بعد ازاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے ساتھ متعلقہ قرآن کی آیت بھی آخر تک تلاوت فرمائی۔

"فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًافِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ"[9]

پس اے قرآن مجید کے خطاب سننے والو! یکسو ہو کر اپنا رخ اسی دین کی سمت میں جماؤ اور قائم رہو اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ اس سے لاعلم ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"الدین" سے اللہ کا حقیقی دین۔ اسلام۔ مراد ہے جس کی دعوت اس کے تمام نبیوں اور رسولوں نے دی اور جس کی تکمیل نبی امی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ سے ہوئی۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کا اصلی اور پسندیدہ دین ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ"

اصلی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔

"فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ".

یعنی ہر طرف سے کٹ کر اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر فاطرِ فطرت نے لوگوں کو پیدا کیا ہے... یہ اس 'الدین' کی صحت و صداقت کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی طرف یکسو ہونے کی اوپر والے ٹکڑے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ دین کوئی خارج کی چیز نہیں ہے جو تم پر اوپر سے لادی جا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

رہی ہو، بلکہ یہ عین تمہاری فطرت کا بروز اور تمہارے اپنے باطن کا خزانہ ہے جو تمہارے دامن میں ڈالا جارہا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو فلسفی یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک صفحہ سادہ اور تمام تر اپنے ماحول کی پیداوار اور الف وعادت کی مخلوق ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ساخت اور بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کو خیر وشر اور حق وباطل کی معرفت عطا فرمائی ہے اور نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا جذبہ بھی اس کے اندر ودیعت فرمایا ہے، لیکن اس کی یہ فطرت حیوانات کی جبلت کی طرح نہیں ہے کہ وہ اس سے انحراف نہ اختیار کر سکے بلکہ وہ اپنے اندر اختیار بھی رکھتا ہے، اس وجہ سے بسا اوقات وہ اس دنیا کی محبت اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں اس طرح اندھا ہو جاتا ہے کہ حق وباطل کا شعور رکھتے ہوئے نہ صرف باطل کی پیروی کرتا ہے بلکہ باطل کی حمایت میں فلسفے بھی ایجاد کر ڈالتا ہے"[10]۔

3۔ دین وایمان کی حفاظت شریعت کا اولین اور سب سے اہم مقصد ہے۔

شریعت کو انسان کا دین وعقیدہ بہت عزیز ہے، اسی کی بنیاد پر اس کا حساب کتاب ہو گا، اسی لیے ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کو مقصود قرار دے کر بے شمار نصوص میں اس کی تاکید آئی ہے، اور مقاصدِ شریعت میں اس کو اولین اور سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، گویا "سب سے پہلے دین وایمان" جس کی خاطر انسان کی جان، مال، عقل اور عزت وآبرو بھی قربان۔

دین وایمان کی طرف دعوت کی خاطر انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ"[11]

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے اگر تم واقعی ماننے والے ہو"۔

نبی ﷺ کفار ومشرکین کی ہدایت اور ایمان لانے کو بہت اہمیت دیتے، اور ہر ممکن کوشش کرتے تھے حتی کہ اس بارے میں فکر وسوچ اور محنت سے اپنے آپ کو گھلائے دیتے رہے تھے کہ رب کریم نے خود اس کو اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا:

" فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا" [12]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج وفکر کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے؟

اور دین وایمان کی دعوت تو انبیاء کرام اولیاء عظام اور صلحائے امت کا طریقہ اور نقش قدم ہے:

" قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ"[13]

"کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین وبرہان) سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی (لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔ اور اللہ پاک ہے۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ان سب آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ ہر نومولود بچہ جو کسی انسان کے نطفہ سے پیدا ہوا، اور بالخصوص اسلامی معاشرہ میں پیدا ہونے والا ہر بچہ شریعت کی نظر میں فطرتاً مسلم ہے، جب ہر انسانی نومولود کا ایمان واسلام یقینی طور پر ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ:

"ایمان کا یقین کفر وارتداد کے شک سے ختم نہیں ہو سکتا"۔

4۔ فقہ کے مشہور پانچ بنیادی اور کلی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ:

"الْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ" [14]

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ یقینی طور پر منفی یا مثبت طور پر معلوم ہو جائے تو بعد میں آنے والے کسی بھی شک وتردد سے وہ یقین ختم نہیں ہو گا۔

یہ قاعدہ فقہی مسائل (فقہِ اصغر) کے علاوہ ایمانی وکلامی مسائل (فقہِ اکبر) کو بھی محیط ہے، بالخصوص ہر وہ مسئلہ جس میں شک ویقین کی دونوں جہتیں پائی جائیں تو شک کو چھوڑ کر یقین والی جہت کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ:

" الشَّكُّ أَضْعَفُ مِنَ الْيَقِيْنِ فَلَا يُعَارِضُه ثبوتا و عدماً"[15]

شک یقین سے بہر حال کمزور ہے اس لیے ثبوت وعدمِ ثبوت دونوں میں اس کے مقابلے میں نہیں آسکتا"۔

اسی لئے اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

" إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا"[16]

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.9.No.2 2026

یہ لوگ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

اس آیت میں یقینی طور پر ثابت شدہ چیز حق کو چھوڑ کر، ظن و تخمین کے پیچھے چلنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ چونکہ تکفیر کے نتیجے میں متاثر شخص کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان اور معاشرے پر بہت ہی اہم اثرات اور خطرناک نتائج مترتب ہوتے ہیں، اس لیے صرف شک وشبہ یا ظن کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر درست نہیں۔ شریعت نے ادنیٰ شبہ کی بنیاد پر حدود کی سزاؤں کو ساقط کر دیا، حالانکہ حدود کی تنفیذ کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ انسان کی جان جاتی ہے۔ کسی بھی شخص کا ایمان اس کی زندگی اور جان کے مقابلے میں زیادہ قیمتی، مقدم اور افضل واولیٰ ہے، اس لیے محض شکوک وشبہات کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی قاعدے کا ایک ذیلی قاعدہ یہ ہے۔:

جو بات یقینی طور پر ثابت ہو، وہ صرف یقین سے ہی ختم ہو سکتی ہے.

"مَا ثَبَتَ بِيَقِيْنٍ لَا يَرْتَفِعُ إِلَّا بِيَقِيْنٍ"[17]

اس لئے جس شخص کا مسلمان ہونا یقین کے ساتھ ثابت ہو اس پر کفر وارتداد کا حکم لگانے کے لئے یقینی اور مسلم دلیل کی ضرورت ہو گی.

اسی لیے محقق اہلِ علم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی کے کفر وارتداد کے سو میں سے ننانوے احتمال موجود ہوں تب بھی شرعی نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک احتمال کو ترجیح دے کر اسے مسلمان شمار کیا جائے۔

5۔ ظاہر حال سے قطع نظر، پوشیدہ ایمانِ قلب مقبول ہے۔

شریعت کی نظر میں کسی بھی شخص کا ایمان واسلام بہت اہم، مطلوب ومقصود اور مقبول ہے، خواہ وہ دل میں پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو، جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہو سکتا، اس کی واضح دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا:

"مَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ"[18]

اس کی تفصیل کتبِ حدیث وسیرت اور تفسیر میں موجود ہے۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ وہ مشرکین کے ہتھے چڑھ گئے اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک انہوں نے نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہہ کر ان کے باطل معبودوں کی تعریف نہیں کر دی۔ جب نرغے سے نکل پائے تو روتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، تو رسولِ کریم ﷺ نے پوچھا: عمار! کیا بات ہے؟ آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مشرکوں نے پکڑ لیا تھا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات نہیں کہہ دیے اور ان کے جھوٹے معبودوں کا ذکرِ خیر نہیں کر دیا۔ تو رسالت مآب ﷺ نے دریافت فرمایا: دل کی کیفیت کیا ہے؟ تو عرض کی: دل ایمان پر مطمئن ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دوبارہ ایسی حالت میں گرفتار ہو جاؤ تو اسی طرح کرنا.[19]

اس کی دوسری مثال شدتِ مسرت وفرحت میں، بغیر قصد وارادہ کے کلماتِ کفر کا زبان پر جاری ہو جانا ہے جیسے حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن مسعود، نعمان بن بشیر، براء بن عازب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک سنسان اور ہلاکت خیز بیابان میں، سفر سے تھکا ہوا اترے، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کا کھانا پینا ہو، ایک درخت کے سائے میں سو جائے، جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری جا چکی ہے، وہ اس کی تلاش میں نکلے، دائیں اور بائیں مختلف بلندیوں، چوٹیوں سے دور جھانک کر مایوس ہو جائے اور اسے سخت پیاس لگے، پھر وہ کہے: میں اپنی جگہ پر واپس جا کر سو جاؤں گا، اب تو موت ہی نظر آرہی ہے۔ تھکا ہوا اپنی کلائی کو تکیہ بنا کر لیٹے تو سو گیا، پھر بیدار ہوا تو اس کی سواری اس کے پاس ہی کھڑی ہو اور اس پر اس کا زادِ راہ اور کھانا پینا ہو، پھر زیادہ خوشی کی وجہ سے وہ یہ غلط اور کفریہ کلمات کہہ دے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی کی سواری اور زادِ راہ ملنے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔.[20]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایسے کفریہ کلمات دہشت، ذہول ونسیان کی کیفیت میں، یا کسی علمی یا شرعی فائدہ کی خاطر ذکر کرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود اس شخص کے کلمات کو ذکر کیا ہے۔.[21]

توہینِ رسالت کے حوالے سے ظاہر حال کو ترک کر کے دلی کیفیت اور قلبی نیت کو قبول کرنے کی ایک واضح مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جس کو قرآن مجید نے نقل کیا ہے۔:

" وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِيَ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الألْوَاحَ" 22................

اور موسیٰ علیہ السلام جب غصّے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ آتے ہی انہوں نے کہا" بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کر لیتے؟" اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارون نے کہا" اے میری ماں کے بیٹے، ان لوگوں نے مجھے دبالیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔ تب موسیٰ نے کہا" اے ربّ، مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے۔

پھر فرمایا:

" وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الأَلْوَاحَ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ "[23]

پھر جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انہوں نے وہ تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ: موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور سے ملنے والی، اللہ کے کلام کی الواح کو نیچے پھینک دیا، وہ مقدس الواح گرنے کے بعد ٹوٹ گئیں، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ"، کہ "سنا ہوا، دیکھے ہوئے کی طرح نہیں ہوتا"، صرف سنا سنایا اور آنکھوں دیکھا برابر نہیں ہو سکتے، اللہ عز وجل نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ان کی قوم بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئی ہے، تو انہوں نے تورات کی الواح نہیں پھینکیں، لیکن جب اپنی آنکھوں سے ان کا فعلِ بد دیکھا تو برداشت نہ ہوا اور تورات کی الواح نیچے پھینک دیں جس سے وہ ٹوٹ گئیں۔[24]

دوسرے انہوں نے اپنے بڑے بھائی کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور اپنی طرف کھینچا۔

تیسرے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نبی ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور ان کو اپنی طرف کھینچ کر انہیں اذیت پہنچائی۔ اور یہ تینوں باتیں نہ صرف یہ کہ گناہ ہیں بلکہ ان کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہی کیا ہے، کہیں ان باتوں کی وجہ سے ان پر نکیر یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے احادیث میں بیان فرمایا کہ ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے آیا تو انہوں نے چانٹا رسید کر کے اس کی آنکھ نکال دی۔[25]

یہ ساری باتیں توہینِ مقدسات میں شمار ہوتی ہیں اور انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی ناراضگی یا نکیر ذکر نہیں فرمائی۔ البتہ قرآن مجید نے یہ تذکرہ ضرور کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو از خود احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی، لہٰذا بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ معلوم ہوا کہ توہینِ رسول ﷺ پر از خود احساسِ ندامت، توبہ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کافی ہونا چاہیے۔

یہ اصول اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں آیا ہے لیکن یہ ہر مسلمان کے لیے عام ہے کہ اگر توہینِ رسالت کی نیت و قصد نہ ہو، اور توہین کا فعل شدتِ غیرت و جذبات میں سرزد ہو، اور بعد میں از خود احساسِ ندامت یا کسی کے توجہ دلانے پر توبہ و استغفار کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا مستحق ہے۔ اور احناف کا توہینِ رسالت کی وجہ سے ارتداد میں یہی موقف ہے کہ توبہ و استغفار سے معافی مل جائے گی۔

امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنے شیخ، ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ اکثر یہ فرماتے تھے کہ سچے، وفادار اور مخلص محب کو بسا اوقات اس کی عظیم خدمات، وفاداری اور قربانی و ثابت قدمی کی وجہ سے بہت کچھ معاف کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر فرماتے: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو، اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت سے لکھے ہوئے کلامِ الٰہی پر مشتمل ان تختیوں کو پھینک دیا جنہیں وہ کوہِ طور سے لے کر آئے تھے، وہ الواح ٹوٹ گئیں، اور اپنے جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی اپنے حقیقی بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا، ملک الموت کی آنکھ کو تھپڑ مار کر پھوڑ دیا، معراج کی رات حضرت محمد ﷺ کو احکامِ نماز میں تبدیلی کی درخواست کے لیے اکسایا اور بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بھیجا۔ اللہ رب العالمین یہ سب کچھ نہ صرف یہ کہ برداشت کرتے رہے بلکہ منصبِ نبوت و رسالت کے ساتھ محبت و اکرام کا تعلق بھی برقرار رکھا۔ وجہ یہ تھی کہ سب سے بڑے دشمنِ خدا —فرعون— کے دربار میں دعوت و حق گوئی اور مصری قبطیوں کے ساتھ اپنی قوم بنی اسرائیل میں بھی دعوت الی اللہ کا کام عمدہ طریقے سے کیا۔ ان جلیل القدر خدمات کے مقابلے میں ان جوشیلی حالتوں کا کوئی وزن نہیں تھا جیسا کہ شاعر کہتا ہے:-

"وَإِذَا الْحَبِيبُ أَتَى بِذَنْبٍ وَاحِدٍ ... جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِأَلْفِ شَفِيعِ"

جب کسی محبوب شخصیت سے کبھی کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کا پورا کارنامۂ زندگی، خوبیاں اور سابقہ خدمات ہزار سفارش کنندہ کے طور پر آجاتے ہیں۔[26]

اور کبھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرتے وقت اپنی جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے قصداً ایسے الفاظ استعمال کرے جو درحقیقت اسلام قبول کرتے ہوئے نہیں کہے جاتے اور کلماتِ کفر ہیں، لیکن چونکہ ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا مقصود تھا، اس لیے شریعت نے اس ادنیٰ اور کمزور تر دلیل کو بھی ایمان کے حق میں قبول کر لیا، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قصے میں ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنو جذیمہ کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے "صَبَأْنَا صَبَأْنَا" یعنی ہم "صابئ ہوئے" کے الفاظ استعمال کیے۔ حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، خالد نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی، مگر اپنی زبان سے انہوں نے ہم مسلمان ہو گئے کہنے کو اچھا نہ سمجھا تو یوں کہنے لگے کہ ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں قتل و قید کرنے لگے اور قیدیوں کو ہم میں سے ہر ایک کے حوالے کر دیا۔ ایک دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہمیں اپنے اپنے قیدی قتل کر دینے کا حکم دیا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو اور نہ میرے ساتھی اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کریں گے یہاں تک کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔[27]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"فَقَالُوا صَبَأْنَا وَأَرَادُوا أَسْلَمْنَا فَلَمْ يَقْبَلْ خَالِدٌ ذَلِكَ مِنْهُمْ وَقَتَلَهُمْ بِنَاءً عَلَى ظَاهِرِ اللَّفْظِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَأَنْكَرَهُ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ يُكْتَفَى مِنْ كُلِّ قَوْمٍ بِمَا يُعْرَفُ مِنْ لُغَتِهِمْ وَقَدْ عَذَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فِي اجْتِهَادِهِ وَلِذَلِكَ لم يقد مِنْهُ"[28]

یعنی ان لوگوں نے "صَبَأْنَا" کہہ کر اسلام قبول کرنا ہی مراد لیا تھا، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس ذو معنی لفظ کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کی بنا پر انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اسے ناپسند کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قوم سے ان کی زبان میں معروف و متداول الفاظ کو انہی معنوں میں قبول کیا جائے گا۔ اور نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو اجتہادی غلطی کی وجہ سے قصاص سے معاف کر دیا۔

6۔ ظاہری صورتِ حال اگر ایمان کے حق میں ہو تو نیتوں کو ٹٹولنے یا دلوں میں اترنے کی بجائے ظاہر کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

اس قاعدے یا اصول کی مثال حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور بنو سلیم قبیلے کے چرواہے کا قصہ ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ امام مسلم نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ جنگ میں بھیجا تو ہم صبح صبح جہینہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ میں نے وہاں ایک آدمی کو پایا، اس نے کہا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ، میں نے اسے قتل کر دیا، پھر میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ تو میں نے اس کے متعلق نبی ﷺ سے ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نے تو یہ کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں؟ آپ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔[29]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو سلیم قبیلے کا ایک آدمی بکریوں کا ریوڑ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے قریب سے گزرا اور ان پر سلام کیا، تو انہوں نے یہ سوچ کر کہ اس نے تو اپنے آپ کو بچانے کے لیے سلام کیا ہے، اٹھ کر اسے قتل کر دیا اور اس کا بکریوں کا ریوڑ مالِ غنیمت کے طور پر ہانک کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے تو اس پر یہ آیت اتری:۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً ----"30

اے ایمان والو! جب تم زمین میں کہیں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو تمہیں سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، تم دنیوی مال و متاع کی طلب میں ہو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بے حد و حساب غنائم ہیں، آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، اب تحقیق کر لیا کرو، جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے منافقین کا ظاہری دعویٰ ایمان قبول فرمایا اور ان کی نیتوں یا دلی ارادوں کی کھوج میں نہیں پڑے، اور پورے عہدِ نبوت میں منافقین کا شمار مسلمانوں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

میں ہی ہوتا تھا، وہ جہاد، نماز، روزہ سب عبادات میں بطور مسلمان حصہ لیتے تھے، اس لیے کہ مسلمان ظاہر کو دیکھ کر معاملہ کرنے کے پابند ہیں، باطن اور نیت یا قصد و ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔[31]

عقیدہ وایمان کی طرح عدالتی امور میں بھی قاضی اور جج یا ثالث حضرات اسی قاعدے کے پابند ہیں کہ ظاہری دلیل کی روشنی میں قاضی جس چیز پر مطمئن ہو جائے اسی کے مطابق فیصلہ کرے، اگرچہ وہ حقیقی صورتِ حال کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ اس ہدایت کو سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی انسان ہوں، میرے پاس فریقینِ مقدمہ اپنی باتیں پیش کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی زبان آور ہو سکتا ہے جو محض اپنے زورِ بیان سے مجھے اپنی سچائی کا قائل کرلے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، تو ایسی صورت میں اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں اس کے لیے جہنم کی آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں، اب اس کی مرضی ہے لے لے یا اس کو صاحبِ حق کے لیے چھوڑ دے۔[32]

7۔ قول و فعل میں کفر و فسق کا احتمال ہو تو صاحب قول سے اس کی نیت کا پوچھنا لازم:۔

جب کسی انسان کے قولی و فعلی تصرف میں کفر و فسق کا احتمال پایا جائے تو فوراً عجلت میں اس پر فتویٰ لگانے کی بجائے اس سے اس کی نیت اور قصد و ارادہ کے متعلق پوچھنا ضروری ہے۔ اپنی نیت اور قصد و ارادہ وہ خود ہی بتا سکتا ہے، کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کی نیت بتائے۔ اگر متعلقہ شخص پوچھے جانے پر کفر و ضلال والا احتمال قبول کرلے تو معاملہ واضح ہوگیا، اگر تردید کر دے تو اس کی تردید معتبر ہوگی اور قبول کی جائے گی، البتہ اگر وہ خاموش رہے یا اس سے رابطہ ممکن نہ ہو تو وہ خاموش شمار ہوگا اور اس کی جانب کفر وضلال کی نسبت درست نہ ہوگی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ:

"لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ".[33]

اس کی دلیل حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں حیرہ (کوفہ کے قریب ایک جگہ) میں آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کے مقابلے میں تو رسول ﷺ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے۔ پھر جب میں رسول ﷺ کے پاس آیا تو میں نے کہا: میں حیرہ گیا تھا اور میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: بھلا کیا تو جب میری قبر پر آئے گا تو سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تو پھر زندگی میں بھی کسی کو سجدہ نہ کرو) (آپ ﷺ نے مزید فرمایا) اگر میں کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں، اس حق کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مقرر کیا ہے۔[34]

دوسری دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس کو حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ جب شام سے آئے تو نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا؟ عرض کیا: میں شام گیا تو دیکھا کہ یہود و نصاریٰ اپنے مذہبی علماء، فقہاء، مشائخ و پیران اور عسکری رہنماؤں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میرے پوچھنے پر بتایا کہ یہ ہمارے نبیوں کا طریقہ اور آداب وسلام ہے، تو میرے دل کو اچھا لگا کہ ہم آپ کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاریٰ نے جھوٹ بولا، جس طرح انہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی اسی طرح تحیہ و سلام میں بھی تحریف کر ڈالی۔ آئندہ ایسا نہ کرنا، اس لیے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔[35]

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص سے کفر و شرک کا احتمال رکھنے والے افعال کا صدور ہو تو فتویٰ یا حکم لگانے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس سے اس کا قصد و ارادہ اور نیت معلوم کرنا ضروری ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو فوراً کافر و مرتد قرار نہیں دیا بلکہ طلب کر کے ان سے حقیقی صورتِ حال کی وضاحت پوچھی، اسی واقعے کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ" ....[36]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اگر میری راہ جہاد کرنے کے لئے اور میری رضاجوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ مت اپنے رب، اللہ پر ایمان لاؤ۔ تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناراہ راست سے بھٹک گیا۔

یہ آیات حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے زبیر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی ﷺ نے بھیجا اور آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جاؤ حتیٰ کہ (مقام) روضہ خاخ تک پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک کجاوہ نشین عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہو گا، وہ خط اس سے لے لو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے تیزی کے ساتھ ہمیں لے اڑے حتیٰ کہ روضہ خاخ پہنچ گئے، وہاں ہمیں ایک کجاوہ نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا: خط نکال۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس سے کہا کہ یا تو خط نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار (کر تلاشی) لیں گے، تو اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اس میں لکھا ہوا تھا حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکینِ مکہ کے نام، وہ انہیں آنحضرت ﷺ کے بعض معاملات (جنگ) کی اطلاع دے رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب سے فرمایا: حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھ پر جلدی نہ کیجئے، میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے، یعنی میں ان کا حلیف ہوں اور میں ان کی ذات سے نہیں، اور آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان سب کے رشتہ دار ہیں جو ان کے مال، اولاد کی حمایت کر سکتے ہیں، چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس سے وہ میری رشتہ داری کی حفاظت کریں، اور یہ کام میں نے اپنے دین سے پھر جانے اور اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو، حاطب نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں نہیں) یہ بدر میں شریک تھے اور تمہیں کیا معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف التفات فرما کر فرمایا تھا کہ تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ: اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ تم ان سے اپنی محبت ظاہر کرو، آخر آیت (فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ) تک۔[37]

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ محض قیاسات و گمان اور جوش و جذبات کے زیرِ اثر کسی کے کفر و ارتداد کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لکھنے میں کیا مقصد تھا؟ اس میں کئی احتمال موجود ہیں۔ اس کا اصل مقصد وہ بھی ممکن تھا جس کو انہوں نے خود بیان کیا کہ انہوں نے اسلام میں شک وتردد یا ارتداد کی وجہ سے نہیں لکھا بلکہ صرف اپنے خاندان اور مفادات کو ایک طرح کا تحفظ مہیا کرنا مقصود تھا، یعنی یہ محض ایک غلطی اور لغزش کا ارتکاب تھا، اسلام سے پلٹ جانے کا تصور بھی نہ تھا۔

ایک احتمال یہ بھی تھا کہ —نعوذ باللہ— وہ دین وایمان کو ترک کر کے کفر و شرک اختیار کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں فیصلہ کے لیے انہیں کی طرف رجوع کر کے اصل صورت حال معلوم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ یہی ہوا، ان کو بلا کر استفسار کیا گیا، اور انہوں نے جو مقصود اور نیت بتائی، رسول اللہ ﷺ نے اسی کو قبول کرنے کا حکم دیا، اور اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش و غیرتِ ایمانی پر مبنی موقف بھی تسلیم نہ کیا کہ ان کا اسلام محض نفاق ہے جس پر وہ قابلِ گردن زدنی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ان کی بات قبول کی بلکہ ان کی سابقہ خدمات کا کھلے عام اعلان کیا، بلکہ ایک ضمنی بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں شرکت کے طفیل ان کی مغفرت فرمادی۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کفر وارتداد کے مسئلے میں ملزم سے استفسار اور قصد ونیت معلوم کرنے اور پھر اسی کے قول کو معیار ماننے کی یہ ایسی مثال ہے جس سے کوئی صاحبِ ایمان انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات اس لیے مان لی کہ آپ کو ان کی سچائی کا وحی کی بنیاد پر یقین ہو گیا تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کے تصرف میں کوئی احتمال تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے فیصلوں میں کوئی تضاد نہیں، آپ نے ہمیشہ فیصلہ ظاہر پر ہی کیا، منافقین کے نفاق و کفر کو آپ یقینی طور پر جانتے تھے لیکن آپ نے ہمیشہ ان کی جان بخشی ظاہر کی بنیاد پر کی، اور حضرت حاطب کی جان بخشی بھی ان کے بیان کردہ ظاہری صورت حال پر کی۔[38]

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل تقریباً پوری سیرت میں واضح نظر آتا ہے، اور آپ ﷺ کے اسی طرزِ عمل سے فقہاء و محدثین نے ایک شرعی قاعدہ اخذ کیا جو تقریباً سب فقہی مذاہب میں معتبر مانا جاتا ہے۔:

" نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ واللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ".[39]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جو کچھ کیا اس سے یقینا نبی ﷺ کے علاوہ عام امت کے افراد کو بھی اذیت ونقصان کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک دفاعی راز دشمن کے علم میں لایا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے جلد بازی اور فوری فیصلہ کے بجائے انہیں بلایا، ان کا موقف سنا، صفائی کا بھرپور موقع دیا، جس میں انہوں نے اپنے مرتد ہونے کی تردید کی۔ اس طرح کی صورتِ حال میں آپ کے سامنے تین ہی امکانات ہوتے ہیں:

اول: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں تو وہ اس مفہوم کو نتائج سمیت قبول کرلے کہ یہی اس کا مقصود تھا۔

دوم: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں تو وہ اس مفہوم کی تردید کردے کہ یہ مفہوم اور اس کے لازمی نتائج اس کا مقصود نہیں تھا۔

سوم: یہ کہ ملزم تصدیق یا تردید کی بجائے خاموشی اختیار کرے۔ تیسری صورت میں مشہور فقہی قاعدہ: "لَایُنْسَبُ إِلَی سَاکِتٍ قَوْلٌ"[40] کے مطابق اس کی طرف کوئی موقف منسوب کرنا درست نہ ہوگا، بلکہ ایک دوسری شرعی قاعدہ "الأَصْلُ بَقَاءُ مَاکَانَ عَلَی مَاکَانَ" پر عمل کیا جائے گا کہ وہ مسلم تھا، اور کفریہ مفہوم کے محتمل تصرف کا کفریہ مفہوم اس نے قبول نہیں کیا، اس لیے وہ اپنی پہلی حالت "ایمان" پر ہی شمار ہوگا۔

8۔انسان کی نیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے یا وہ خود بتائے، نہ کہ کوئی دوسرا:۔

اس سے قبل ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کرنے کے واقعات، اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ نقل کرچکے ہیں۔

انہی واقعات اور نصوص جیسی بے شمار دلائل قرآن و سنت میں موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ انسان کی نیت اور قصد و ارادہ کو اس کے کفر و ایمان میں کسوٹی کا درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں چند مزید احادیث نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن کا کچھ سونا مٹی میں ملا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے چار آدمیوں اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری (قبیلہ بنی کلاب) اور زید الخیر طائی (قبیلہ بنی نبھان میں سے) پر تقسیم فرمادیا۔ تو قریش اس بات پر ناراض ہوئے اور کہا کہ آپ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا ان کی تالیفِ قلبی کے لیے کیا۔ پھر ایک آدمی گھنی داڑھی، پھولے ہوئے رخسار، اندر کو دھنسے ہوئے آنکھیں اور اونچی جبین والا، منڈے ہوئے سر والا آیا اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈرو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کرے؟ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مجھے اہلِ زمین پر امین بنایا گیا اور تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے؟ وہ آدمی چلا گیا تو قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جو غالباً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ"

مجھے کسی انسان کے دل میں اتر کر دیکھنے یا لوگوں کے پیٹ چیر پھاڑ کر حقیقت معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر فرمایا: اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا، اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں انہیں پاتا تو انہیں قومِ عاد کی طرح قتل کرتا۔[41]

امام نووی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: یعنی مجھے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے، باطن اور اندرون کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے۔[42]

حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار فرماتے ہیں کہ مجھے ایک انصاری نے بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مجلس میں گئے اور سرگوشی کے انداز میں ایک منافق کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، تو رسول اللہ ﷺ نے بآوازِ بلند فرمایا: کیا وہ کلمۂ شہادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی نہیں دیتا؟ انصاری صحابی نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، لیکن اس کی اس شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر فرمایا: کیا وہ محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتا؟ عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، وہ گواہی ضرور دیتا ہے لیکن اس کی یہ شہادت قابلِ اعتماد نہیں۔ پھر نبی ﷺ نے پوچھا: کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، لیکن اس کی کوئی نماز نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے واضح حکم دیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع کیا ہے۔[43]

امام نووی فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے منافقین کو قتل نہیں کیا کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، اور رسول اللہ ﷺ کو ظاہر کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا اور نیت و باطنی قصد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کی ہدایت دی گئی۔[44]

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.9.No.2 2026

9۔اعتقادی اور عملی کفر وشرک میں فرق:۔

کفر و ایمان، شرک و توحید، بدعت و سنت کا باہمی تعلق تو اضداد کا ہے لیکن قرآن و سنت پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایک ہی شخص میں بعض اوقات توحید کے ساتھ شرک، سنت کے ساتھ بدعت، ایمان کے ساتھ کفر، فسق و معصیت کے ساتھ طاعت و تسلیم جمع ہے۔ ایک ہی شخص میں باہمی متضاد ان چیزوں کا اجتماع ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسی شخصیات کا وجود پایا جاتا تھا جن میں یہ تضادات جمع تھے اور آپ ﷺ نے ایمان و توحید، سنت اور طاعت و تسلیم کو کفر و شرک، بدعت، فسق و معصیت پر ترجیح دی، اور اس کی اصل وجہ اور بنیاد دو باتیں تھیں:

اول یہ کہ کفر کا لفظ کتاب و سنت میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

- ایمان و توحید کی ضد و مقابل، عام طور پر قرآن و سنت میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔
- کفرانِ نعمت، شکر کی ضد و مقابل، اس مفہوم میں بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے۔
- اعلانِ براءت ولا تعلقی۔
- بمعنی انکار و جحود۔
- پردہ پوشی و ستر، چھپانا۔ یہ کفر کا عربی زبان میں اصل اور بنیادی مفہوم ہے۔[45]

دوم: یہ کہ شرعی کفر جس سے آدمی دائرۂ ملت سے خارج اور باہر ہو جاتا ہے وہ صرف کفر اکبر ہوتا ہے نہ کہ کفر اصغر۔ اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے اعتقادی کفر و شرک، عملی کفر و شرک اور بدعت و معصیت میں فرق کیا۔ منافقین کے ساتھ آپ کا معاملہ اس کی واضح مثال ہے کہ ان میں کفر و شرک اور معاصی کا وجود ایک حقیقت تھا لیکن دوسری طرف وہ بیشتر ظاہری اعمال—نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ—میں عملاً مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان کو مسلمان شمار کر کے ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا۔ آنحضور ﷺ کا یہ فرق ملحوظ رکھنا شریعت کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں تھا، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ "[46]

اور فرمایا:

"وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"[47]

ان آیات میں اپنے جھگڑوں کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و قوانین کے مطابق نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ اگر ظاہری مفہوم کو لیا جائے تو موجودہ زمانے میں مسلمان ممالک کی اکثریت کا عدالتی نظام اور قوانین استعمار سے لیے گئے ہیں، اس لیے وہ دائرۂ ملت سے خارج اور باہر ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر تکفیریوں کا یہی موقف ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمران دائرۂ ملت سے خارج ہیں، اسی لیے ان کے خلاف تلوار سے جہاد و لڑائی واجب ہے۔

لیکن ان کا موقف اس لیے درست نہیں کہ انہوں نے عملی اور اعتقادی کفر میں فرق نہیں کیا، حالانکہ یہ فرق نصوص نے کیا اور صاحبِ وحی نے اس کو ملحوظ رکھا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی مکہ مکرمہ، مشہور مفسر اور حبر الامہ، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"إنه ليس بالكفر الذي يذهبون إليه وإنه ليس كفرا ينقل من الملة بل كفر دون كفراوظلم دون ظلم، وفسق دون فسق".

یعنی ان آیات میں وہ کفر مراد نہیں جس کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن جاتا ہے، اور اس سے وہ کفر بھی مراد نہیں جو دائرۂ ملت سے خارج کر دیتا ہے، بلکہ بڑے کفر سے کم درجے کا کفر، ظلم اور فسق مراد ہے۔

خلاصہ:

یہ مقالہ اسلام میں تکفیر (کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے) کے شرعی اصول و ضوابط کا تفصیلی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ موجودہ دور میں امت مسلمہ کو جہاں بیرونی سیکولر چیلنجز کا سامنا ہے، وہیں داخلی سطح پر فرقہ واریت، تفسیق، تضلیل اور بلاجواز تکفیر نے مسلم معاشروں کے اتحاد کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ مقالے کے مطابق تکفیر کا فتنہ اسلامی تاریخ کا قدیم ترین فتنہ ہے جس کا آغاز قرنِ اول میں خوارج سے ہوا، اور آج بھی یہی نظریہ مسلم ممالک میں بدامنی، فساد اور مسلح تنازعات کی بنیادی وجہ ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد عوام الناس اور بعض علمی حلقوں میں پائی جانے والی فکری الجھنوں کو دور کرنا ہے۔ اس مقالے میں قرآن و سنت کی

روشنی میں تکفیر کے بنیادی اصول، مقاصد شریعت سے اس کی ہم آہنگی اور تکفیر کے مجاز افراد کا تعین کیا گیا ہے تا کہ کسی مسلمان کے ایمان یا کفر کے بارے میں رائے قائم کرتے وقت اعتدال اور انتہائی شرعی احتیاط کو ملحوظ رکھا جا سکے۔

نتائج بحث:

مقالے میں بیان کردہ دلائل سے درج ذیل اہم نتائج اخذ ہوتے ہیں:

تکفیر کا اختیار اور احتیاط :

کسی شخص کے ایمان و کفر کا فیصلہ کرنے کا اختیار شریعت کو حاصل ہے، اور کسی مسلمان کی تکفیر کرنا عوام الناس یا میڈیا کا کام نہیں بلکہ یہ اختیار صرف راسخ اہلِ علم اور مفتیانِ کرام کو حاصل ہے۔

جلد بازی کی ممانعت :

کسی مسلمان کی تکفیر میں جلد بازی شریعت میں سختی سے منع ہے؛ احادیث کے مطابق اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو کافر کہے اور وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا الزام کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔

ایمان کی مرکزیت :

ہر انسان فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے اور کفر ایک عارضہ ہے۔ شریعت کے مقاصد میں دین و ایمان کی حفاظت سب سے اولین مقصد ہے۔

یقین اور شک کا اصول :

فقہی قاعدے "اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ" کے مطابق کسی شخص کا یقینی ایمان، کفر یا ارتداد کے محض شک کی بنیاد پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جو بات یقین سے ثابت ہو، اسے ختم کرنے کے لیے بھی یقینی دلیل درکار ہوتی ہے۔

ظاہری حالت کا اعتبار اور نیتوں کی کھوج سے ممانعت :

شریعت ظاہری صورتِ حال کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیتی ہے؛ انسان کے دلوں میں اترنے یا نیتوں کو ٹٹولنے کا اختیار کسی انسان کو نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وضاحت طلب کرنا :

جب کسی شخص کے قول و فعل میں کفر یا فسق کا احتمال ہو تو عجلت میں فتویٰ لگانے کے بجائے اس شخص سے اس کی نیت اور قصد پوچھنا شرعاً لازم ہے۔

کفرِ اعتقادی اور کفرِ عملی میں فرق :

شریعت نے اعتقادی کفر (جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے) اور عملی کفر (جو کہ معصیت یا کفرِ اصغر ہے) کے درمیان واضح فرق کیا ہے، جس کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

سفارشات:

اس بحث کی روشنی میں درج ذیل عملی و فکری سفارشات مرتب کی جا سکتی ہیں:

انتہائی شرعی احتیاط اپنائی جائے :

کسی مسلمان پر کفر، شرک یا بدعت کا حکم لگانے سے قبل انتہائی احتیاط برتی جائے۔ اگر کسی کے کفر وارتداد کے ننانوے(99) احتمالات موجود ہوں، تب بھی صرف ایک احتمالِ ایمان کو ترجیح دے کر اسے مسلمان ہی شمار کیا جائے۔

صفائی اور وضاحت کا موقع دیا جائے :

محض قیاسات اور جوش و جذبات کی بنیاد پر فتویٰ صادر نہ کیا جائے۔ اگر کسی سے کوئی قابلِ اعتراض عمل سرزد ہو جائے تو اسے طلب کر کے حقیقی صورتِ حال اور اس کی نیت معلوم کی جائے۔

خاموشی یا تردید کو تسلیم کیا جائے :

اگر وضاحت طلب کرنے پر متعلقہ شخص کفر والے احتمال کی تردید کر دے تو اس کی تردید قبول کی جائے، اور اگر وہ خاموش رہے تو فقہی اصول (لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ) کے تحت اس کی جانب کفر منسوب نہ کیا جائے۔

تکفیری اور خارجی فکر کی حوصلہ شکنی کی جائے :

مسلم معاشروں، بالخصوص ریاستی اداروں اور حکمرانوں کے خلاف عملی کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے اور ان کے خلاف مسلح جدوجہد (خروج) کے نظریات کی حوصلہ شکنی کی جائے، کیونکہ یہ خوارج کا طرزِ عمل ہے۔

علمی بیداری اور شعور بیدار کیا جائے :

معاشرے، تعلیم یافتہ طبقے اور نیم خواندہ علماء میں ایمان، کفر، اور مقاصدِ شریعت کے حوالے سے پائے جانے والے تذبذب کو دور کرنے کے لیے ان شرعی قواعد کی وسیع پیمانے پر ترویج کی جائے۔

مستقبل کی تحقیق کے لیے تجاویز:

جدید ذرائع ابلاغ (سوشل میڈیا) اور فتنۂ تکفیر :

مقالے میں واضح کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان و کفر کا فیصلہ کرنا عوام یا میڈیا کا کام نہیں ہے۔ اس پہلو پر تحقیق کی جاسکتی ہے کہ موجودہ ڈیجیٹل دور اور سوشل میڈیا پر عجلت میں لگنے والے تکفیر کے فتووں کے اسباب کیا ہیں اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس رجحان کو قانونی اور اخلاقی سطح پر کیسے روکا جاسکتا ہے۔

عصرِ حاضر کی انتہا پسند تحریکوں اور خوارج کا تقابلی مطالعہ :

تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ خوارج اگرچہ ختم ہو گئے، لیکن ان کی تکفیری فکر آج بھی عالمِ اسلام میں فساد اور مسلح جدوجہد کی وجہ ہے۔ اس موضوع پر مزید تحقیق ہو سکتی ہے کہ دورِ حاضر کے انتہا پسند گروہوں کے فکری دلائل اور تاریخی خوارج کی سوچ میں کیا مماثلت ہے اور علمائے امت کو اس کے علمی رد کے لیے کیا لائحہ عمل اپنانا چاہیے۔

اعتقادی اور عملی کفر کے فرق کا ریاستی اور عدالتی اطلاق :

مقالے میں اعتقادی کفر اور عملی کفر (جو کہ فسق یا کفرِ اصغر ہے) کے درمیان فرق کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس پر قانون سازی اور فقہی حوالے سے تحقیق کی جاسکتی ہے کہ موجودہ اسلامی ریاستوں کی عدالتیں اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ارتداد یا توہین کے مقدمات میں کس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے کر سکتی ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نیت اور قصد کی جانچ کا طریق کار :

مقالے کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ کفر کا احتمال ہونے پر متعلقہ شخص کی نیت اور ارادے کے بارے میں اسی سے استفسار کیا جائے۔ مستقبل میں اس پر مقالہ لکھا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر کے عدالتی نظام میں مجرمانہ نیت (Men's Rea) اور شرعی نیت (قصد وارادہ) کو جانچنے کے موجودہ طریقوں کو اسلامی اصولوں کے ساتھ کیسے ہم آہنگ کیا جائے۔

حوالہ جات

[1] الطبراني ،سليمان بن أحمد :المعجم الكبير (القاهرة: مكتبة ابن تيمية) 104:1، رقم: 168
[2] ایضاً
[3] بخاري ،محمد بن إسماعيل : صحيح البخاري،كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب والكفر،رقم: 6045
[4] ایضاً،كتاب الأدب، باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، رقم: 6104
[5] مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم،كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم،رقم: 60
[6] محمد بن اسماعیل ، صحیح،کتاب الادب، باب: ما يُنهى عن السباب واللعن، رقم:6045
[7] سورۃ یونس19:10
[8] مسلم بن حجاج، صحیح، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب: الصفات التي يعرف بها أهل الجنة وأهل النار، رقم: 2865
[9] . محمد بن اسماعیل ،صحیح ،كتاب الجنائز،باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه،رقم:1271
[10] . اصلاحی ،امین احسن : تدبرِ قرآن، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن)،101:6
[11] سورۃ الحدید8:57
[12] سورۃ الکہف6:18
[13] سورۃ یوسف108:12
[14] ابن نجیم ،زین الدین بن ابراہیم مصری: الأشباه والنظائر، (بیروت :دار الكتب العلمیۃ، 1999ء)، 55
[15] علی حیدر الاتاسی، شرح مجلۃ الأحكام العدلیۃ، (بیروت :دار الجیل)،18:1
[16] سورۃالنجم28:53
[17] لابن نجیم ، زین الدین بن ابراہیم مصری ،الأشباه والنظائر، 59
[18] ۔ سورۃالنحل106:16
[19] . النیسابوری ،محمد بن عبداللہ الحاکم : المستدرک علی الصحیحین، (بیروت :دار الكتب العلمیۃ، 2002ء)، 389:2،رقم : 3362
[20] مسلم بن حجاج،صحیح ، كتاب التوبہ،باب في الحض على التوبة والفرح بها،رقم:4932
[21] ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی :فتح الباری شرح صحیح البخاری، (بیروت: دار المعرفة)، 108/11، 314
[22] . سورۃ الأعراف7 : 150-151
[23] . سورۃ الأعراف7: 154
[24] . الإمام أحمد بن حنبل :مسند الإمام أحمد بن حنبل، طبعۃ الرسالۃ، (بیروت: مؤسسة الرسالۃ)، 260/4-261، رقم: 2447
[25] . محمد بن اسماعيل، صحيح ، كتاب الأذان،بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ أَوْ نَحْوِهَا،رقم: 1339
[26] ابن قيم الجوزيہ، محمد بن أبي بكر :مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، (بيروت: دار الكتاب العربی، الطبعة الثالثة، 1416ھ / 1996ء)، 337/1
[27] . بخاري ،صحيح ، كتاب المغازي،باب بعث النبي خالد بن الوليد إلى بني جذيمة،رقم:3994
[28] . ابن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، 274/6
[29] ۔ ملسم بن حجاج، صحيح ، كتاب الإيمان،باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال لاإله إلا الله،رقم:140
[30] ۔ أحمد بن حنبل :المسند، مسند عبد الله بن عباس رضي الله عنه، رقم: 1919
[31] . النووی، یحییٰ بن شرف :شرح النووی علی صحیح مسلم، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، جلد 16/ 139

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

32 . مسلم، صحيح ، كتاب الاقضية،باب الحكم بالظاهر و اللحن بالحجة، رقم :3232

33 . ا بن نجيم :الأشباه والنظائر، 154

34 . ابو داود، سليمان بن الاشعث السجستانی :السنن، كتاب النكاح، باب: في حق الزوج على المرأة، (بيروت: دار الرسالة العالمية)، رقم: 1828

35 . الحاكم :المستدرک، 190/4، حديث: 7325

36 .سورةالممتحنہ1:60

37 .بخاري ،صحيح ،كتاب الجهاد والسير،باب الجاسوس،رقم :2785

38 . الشافعی، محمد بن إدريس :الأم، (بيروت: دار المعرفة)، 4/ 249-250

39 . مفاتيح الغيب تفسير رازی 457/12 ، 16/ 117 ، 20/ 340، 21/ 489، واللباب في علوم الكتاب282/12 ،و 12/ 549 لأبی حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ) تحقيق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود والشيخ علي محمد معوض، دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الأولى، 1419 هـ -1998م،

40 . جلال الدين السيوطی :الأشباه والنظائر، 162

41 . بخاري،صحيح ، كتاب المغازي،باب بعث علي بن أبي طالب و خالد بن الوليد إلى اليمن،رقم:4004

42 . نووی :شرح صحيح مسلم، 163/7

43 . أحمد بن حنبل :مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبيد الله بن عدي الأنصاري رضي الله عنه، رقم: 22559

44 . نووی،شرح صحيح مسلم، 139/16

45 . ملاحظه هو:نزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر ص: 516 تاليف: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى: 597هـ) تحقيق: محمد عبد الكريم كاظم الراضي، مؤسسة الرسالة - لبنان/ بيروت، الطبعة: الأولى، 1404هـ - 1984م

46 سورةالمائدة45:5

47 سورةالمائدة47:5